ڈاکٹر محمد سلیم خالد

شعبہ اردو و فارسی ،گورنمنٹ کالج بوچھال کلاں،ضلع چکوال

تفسیرِ سرسید کا فنی، ادبی اور لسانی مطالعہ

Dr. Muhammad Saleem Khalid

Deptt. of Urdu and Persian, Government College Bochal Calan, District Chakwal

A Technical, Linguistic and Literary Study of Sir Syed's Commentry on Quran

The war of independence (1857) was fought by the Hindus and the Muslims unitedly against the British rule, to free their country and to redress their grievances. After the subdual of upheaval only the Muslims were held responsible for it and the Hindus were not only forgiven, but also favoured by the British.

In these circumstances Syed Ahmed Khan came forward to the rescue of the Muslims. Education and social reforms were two main points of his agenda. He founded school at different places and started soceities and journals to promote knowledge and culture. But in the field of social reforms he included the religious aspects also. He was much impressed by the modern science and retionalism. These were the two tools of his thinking. He compiled his Quranic commentry under the influence of his mentioned thinking and interpreted the supernatural facts according to his own tools. Therefore the Muslim religious scholars opposed him and declared him as a non believer. In this research artical the technical, linguistic and literary aspects of the said commentry have been studied.

سرسید احمد خان دہلی کے ایک معزز گھرانے میں ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے

(نزھۃ الخواطر، جلد ۷، ص ۳۸)

ان کے والد میر تقی ایک آزاد منش آدمی تھے اور دنیاوی امور میں بہت کم دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ مشہور نقشبندی بزرگ، شاہ غلام علی (م ۱۲۴۰ھ) کے مرید تھے اور اپنا زیادہ وقت ان کی صحبت میں یا تیراکی اور تیراندازی میں گزارتے تھے۔

(موجِ کوثر، ص ۷۸)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ سرسید کا نام احمد شاہ غلام علی نے ہی رکھا تھا۔ (حیات جاوید ص ۴۷)

سرسید کی تربیت میں ان کے نانا دبیر الملک امین الملک خواجہ فرید الدین احمد خان بہادر (م ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء) کلکتہ میں کمپنی کے مدرسہ میں سپریٹنڈنٹ تھے پھر بعد ازاں اکبر شاہ ثانی (۱۲۳۰ھ تا ۱۲۵۳ھ) کے وزیر ہو گئے کو بڑا دخل حاصل ہے۔ (حیاتِ جاوید ص ۳۴)

سرسید نے فارسی درسیات کے بعد عربی زبان کی کتابیں درجہ متوسط تک پڑھیں۔ (موج کوثر ص ۷۸)

البتہ قدیم علم، ہیئت اور ریاضی میں خاص درک حاصل کیا (تاریخ مسلمانانِ پاک و ہند، جلد ۲، ص ۴۳۸)

حکیم غلام حیدر خان سے کچھ طب کی کتابیں پڑھیں۔ (فرنگیوں کا جال، ص ۲۷۰)

سرسید کے والد ۱۸۳۸ء میں فوت ہو گئے تو انہوں نے ملازمت کی ابتدا عدالت میں سررشتہ دار کی حیثیت سے کی (حیات جاوید ص ۹۲، ۹۳)

پھر ۱۸۴۱ء منصفی کا امتحان پاس کرنے کے بعد منصف مقرر ہوئے۔ (حیاتِ جاوید، ص ۹۳)

مسلمان جدید تعلیم سے متنفر تھے۔ سرسید انہیں جدید تعلیم سے بہرہ ور کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو سکول کا اجراء کیا گیا جو جنوری ۱۸۷۷ء میں کالج بن گیا۔ (علی گڑھ کالج) (موجِ کوثر ص ۸۸، ۹۰)

سرسید نے مسلمانوں کی تہذیبی، معاشرتی اور مذہبی اصلاح کے لئے ایک رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا۔ تہذب الاخلاق کا اجراء ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو ہوا۔ (موجِ کوثر ص ۸۷)

سرسید نہایت کامیاب اور بامقصد زندگی گزارنے کے بعد ۱۸۹۸ء/۱۳۱۵ھ کو اس جہان فانی سے رحلت کر گئے۔
(نزہۃ الخواطر، جلد ۸، ص ۴۲)

تصانیف:

قدیم دور کی چند مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

(سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ ص ۵ تا ۱۰)

(۱) آثار الصنادید: دہلی کی قدیم عمارتوں اور دہلی کے باکمال لوگوں کا تذکرہ

(۲) تاریخ ضلع بجنور: ۱۸۵۷ء میں ضائع ہو گئی۔

(۳) آئین اکبری: آئین اکبر کی تصحیح کی گئی

دوسرے دور کی چند مشہور تصانیف یہ ہیں

(۱) اسباب بغاوت ہند: یہ کتاب مسلمان قوم کو انگریزی حکومت کے عتاب سے بچانے کے لئے لکھی گئی۔

(۲) تحقیق لفظ نصاریٰ: انگریزی حکومت نصاریٰ لفظ کو بغاوت کا ہم معنی سمجھتی تھی۔ سرسید نے ان کی غلط فہمی دور کی۔

(۳) تبیین الکلام: اس میں انجیل اور قرآن مجید کی تعلیم میں اصولی طور پر وحدت ثابت کی ہے۔

آخری دور کی چند مشہور تصانیف:

(۱) خطبات احمدیہ: ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد ﷺ کا کامیاب جواب''

(۲) تفسیر القرآن (زیر نظر) (سرسید احمد خان اور انکے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ ص ۵ تا ۱۰)

تفسیر القرآن

تفسیر القرآن سرسید احمد خان (م۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء) کی اردو میں سپردِ قلم کی گئی تفسیر قرآن ہے ۔ اس تفسیر کی پہلی جلد ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں شائع ہوئی ۔ بعدازیں اس کی پانچ جلدیں یکے بعد دیگرے منصۂ شہود پر آئیں ۔ ساتویں جلد جس میں سورۃ النساء تک کی تفسیر ہے ۔ سرسید کے انتقال (۱۸۹۸ء) کے بعد طباعت پذیر ہوئی ۔ (قرآن حکیم کے اردو تراجم)

حصہ اول: سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرہ (علی گڑھ ۱۸۸۰ء)

حصہ دوم: سورۂ ال عمران، سورۃ النساء، سورۃ المائدہ (۱۹۰۶ء)

حصہ سوم: سورۃ الانعام، سورۃ الاعراب (۱۹۰۶ء)

حصہ چہارم: سورۃ الانفال، سورۂ براۃ، سورۂ یونس (۱۹۰۶ء)

حصہ پنجم: سورۂ ھود، سورۂ یوسف، سورۂ الرعد، سورۂ ابراہیم، سورۂ الحجر، سورۂ النحل (۱۹۰۶ء)

حصہ ششم: بنی اسرائیل (۱۹۰۶ء)

جلد ہفتم: سورۃ انبیاء تک قلمی مخزونہ علی گڑھ یونیورسٹی (اردو تفاسیر، ص۴۵)

یہ پہلے چھ حصے یکجا دوست ایسوسی ایٹس، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور سے ۱۹۹۵ء میں طباعت پذیر ہوئے ۔

اس تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

سرسید کی آخری تصنیف تفسیر القرآن ہے، جس میں روایات سے بغاوت اپنی آخری حد تک پہنچ جاتی ہے ۔ اس میں اصول، طریق کار اور نصب العین سب کچھ پرانی تفسیروں سے مختلف معلوم ہوتا ہے ۔ انہوں نے ان بحثوں کو نظرانداز کر دیا ہے جن کی (ان کی رائے میں) دورِ حاضر کو ضرورت نہیں ۔ اس تفسیر میں ان کے افکار کا محور یہ ہے کہ دین میں صرف قرآن مجید یقینی ہے ۔ باقی سب کچھ (حدیث، اجماع، قیاس) اصولِ دین میں شامل نہیں ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اسلام کا کوئی مسئلہ عقل اور اصولِ تمدن کے خلاف نہیں ۔ سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء کی......(ص۳۱،۳۲)

سرسید کے دور میں عیسائی پادری قرآن اور اسلام کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں پھیلا رہے تھے ۔ اسے خلاف عقل اور خلاف فطرت بتا رہے تھے ۔ مزید برآں مغربی علوم کے زیر اثر جدید تعلیم یافتہ ذہن، مذہب کے بارے میں گوناگوں شکوک وشبہات کی آماجگاہ بن چکا تھا ۔ ان حالات میں بالعموم روایتی تفاسیر ایسے اذہان کے لئے مداوا ثابت ہونے کے بجائے مزید بگاڑ کا باعث بن رہی تھیں ۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ قدیم تفاسیر میں عجائب پرستی اور اسرائیلیات کا عنصر بہت غالب ہے ۔ چنانچہ اس صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے سرسید نے ''تفسیر القرآن'' لکھنے کا بیڑا اٹھایا ۔ مولانا حالی رقم طراز ہیں:

''قرآن مجید کی تفسیر لکھنے سے سرسید کا مقصد جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے یہ ہرگز نہ تھا کہ اسکے مضامین عام طور سے تمام اہل اسلام کی نظر سے گذریں ۔ سرسید نے ایک موقع پر اپنی تفسیر کی نسبت کہا کہ اگر زمانے کی ضرورت مجھ کو مجبور نہ کرتی تو میں کبھی اپنے ان خیالات کو ظاہر نہ کرتا ۔ بلکہ لکھ کر اور ایک لوہے کے صندوق میں بند کر کے چھوڑ جاتا اور یہ لکھ جاتا کہ جب تک ایسا زمانہ نہ آئے اس کو کوئی کھول کر نہ دیکھے اور اب بھی اس کو بہت کم چھپواتا ہوں اور گراں بیچتا ہوں تاکہ صرف خاص خاص لوگ اسکو دیکھ سکیں ۔ سردست تمام لوگوں میں اس کا شائع ہونا

اچھا نہیں۔(حیاتِ جاوید،ص ۶۷۸)

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''اس تصنیف نے آگے چل کر تحریک مطالعہ قرآن اور عام افکار دینی پر بڑا اثر ڈالا۔مجموعی لحاظ سے سرسید کے نام سے کوئی جماعت یا فرقہ منسوب نہیں مگر ان کا دینی نظریہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف اسلامی فرقوں کے عقائد کا جزو بن گیا۔ چنانچہ ان کے بہت سے خیالات جدید مدرسہ ہائے فکر خصوصاً احمدیت اور اہل قرآن وغیرہ کے نظام میں جگہ پا چکے ہیں ۔سرسید احمد خان اور انکے نامور رفقاء کی اردو نثر (ص ۴۷)

اس تفسیر کا فارسی ترجمہ سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے کیا ہے جو ۱۸۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

تفسیر القرآن (سرسید احمد خان) ترجمہ فارسی از محمد تقی فخر داعی گیلانی ،مطبوعہ تہران تاریخ ندارد۔

مولانا زاہد الحسینی لکھتے ہیں:۔

اس تفسیر کے متعلق علمائے کرام نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔(تذکرۃ المفسرین،ص ۱۸۷)

سرسید احمد خان کی تفسیر کے بارے میں سید عبدالحئ لکھتے ہیں:۔

اس کتاب کا مقصد آیات قرآنی کی تحریف اور ان کو اپنے مذہب ورائے کے مطابق بنانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اگر دور سے بھی کوئی چیز ان کو اپنے مقصد کے مطابق ملی تو اس کو اپنی کتاب میں ٹانک دیا۔

(اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں،ص ۴۵۹)

اسلوبِ تفسیر

کیفیت ترجمہ: سب سے پہلے، چند آیات درج کرنے کے بعد ان کا ترجمہ سپرد قلم کیا جاتا ہے۔ترجمہ بامحاورہ ہوتا ہے مثلاً سورۃ الحمد کا ترجمہ بہ الفاظ ذیل لکھا گیا ہے:

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان۔سب بڑائیاں خدا ہی کے لیے ہیں جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان ہے اور بڑا رحم والا۔حاکم ہے انصاف کے دن کا۔ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں ۔ہم کو سیدھی راہ پر چلا۔ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے بخشش کی ہے نہ ان کی راہ پر جن پر تیرا غصہ ہوا ہے اور نہ بھٹکنے والوں کی راہ پر۔(تفسیر القرآن،ص ۱۲)

آیت الکرسی (البقرہ آیت نمبر ۲۵۲) کا ترجمہ بہ ایں الفاظ تحریر کیا گیا ہے:

اللہ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے زندہ ہے ہمیشہ قائم رہنے والا ، نہ گھیرتی ہے اس کو اونگھ اور نیند۔اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے،کون ہے وہ شخص جو شفاعت کرے اسکے پاس مگر اسکی مرضی سے، جانتا ہے جو کچھ انکے آگے ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے ،اور وہ نہیں پاسکتے کچھ بھی اسکے علم سے بجز اسکے جو وہ چاہے، گھیر لیا اسکی بادشاہت نے آسمانوں کو اور زمین کو اور تھکاتی نہیں اسکو ان کی نگہبانی اور وہ اعلیٰ ہے بہت بڑا۔ (تفسیر القرآن،ص ۲۸۶)

تشریح الفاظ: کہیں کہیں قرآنی الفاظ کی تشریح وتوضیح سے بھی کام لیا گیا ہے ۔لیکن زیر نظر تفسیر میں وضاحت وصراحت کے زمرے میں آنے والے الفاظ کی تعداد بہت کم ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے سلسلے میں لفظ سورۃ کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

''قرآن مجید کی سورتوں کو جو سورۃ کہتے ہیں اس کی وجہ تسمیہ میں متعدد اقوال ہیں۔سب سے صاف یہ ہے کہ سورۃ شہر کی فصیل کو کہتے ہیں جس سے شہر محدود ہو جاتا ہے۔اسی مناسبت سے قرآن مجید کی آیات متعینہ محدودہ پر سورت کا اطلاق کیا گیا ہے''۔(تفسیر القرآن،ص ۶۳)

آیت فاخذتکم الصاعقۃ وانتم تنظرون (البقرہ آیت ۵۲) میں صاعقہ کی توضیح میں لکھا ہے:

صاعقہ کے معنی لغت میں،موت، کے بھی ہیں اور 'عذاب مہلک' کے بھی ہیں،مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس عذاب سے کوئی ہلاک ہوئے بغیر رہے ہی نہیں،اور عذاب یا بلا آنے کی سنسناہٹ اور گڑگڑاہٹ اور کڑک کے معنی بھی آئے ہیں اور بجلی اور آسمان سے گرنے والی آگ کے معنی بھی ہیں اور ''صعق'' بکسر العین کے معنی ہیں ''غشی علیہ'' یعنی بے ہوش کیا گیا۔(تفسیر القرآن،ص ۱۰۷)

صرفی ونحوی توضیحات: تفسیر میں کہیں کہیں صرفی ونحوی مسائل بھی زیر بحث لائے گئے ہیں لیکن بہت کم اور نہایت اختصار کے ساتھ۔

آیت: وعلم ادم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملئکۃ فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صادقین (البقرہ ۲۹)

''عرضھم'' میں جو ضمیر جمع مذکر کی ہے اس کا مرجع اوپر مذکور نہیں ہے،اس لئے تمام مفسرین نے اسماء کے لفظ جو ضمناً اسکے مسمیات سمجھ میں آتے ہیں،اس طرف اس ضمیر کو راجع کیا ہے،پھر یہ مشکل پیش آئی ہے کہ اس کے لئے ضمیر مونث کا ہونا چاہیے تھا،نہ ضمیر جمع مذکر کا۔اس کا حل صاحب تفسیر بیضاوی نے یہ کیا ہے،کہ مسمیات میں ذوی العقول وغیر ذوی العقول سب شامل تھے۔سب تغلیباً ضمیر جمع مذکر کی جو ذوی العقول کے لئے مخصوص لائی گئی ہے۔مگر میرے نزدیک ''ھم'' کی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے جو ضمناً لفظ آدم سے سمجھے جاتے ہیں۔ہم نے ابھی بتایا ہے کہ آدم سے شخص خاص مراد نہیں ہے،بلکہ انسان مراد ہے اور اس مقام پر افراد انسانی کا موجود ہونا بھی تسلیم نہیں کیا گیا ہے،بلکہ صرف اس کی فطرت کا بیان کرنا تسلیم ہوا ہے اور اس لئے ضمیر جمع مذکر غائب کا اس کے لئے لانا بالکل صحیح تھا۔ (تفسیر القرآن،ص ۶۵)

توضیح تلمیحات: سرسید احمد خان قرآنی تلمیحات کو عقلیت پسندی کی عینک سے دیکھتے ہیں اور اپنے نقطہ نظر سے ان کی توجیہہ وتعبیر کی سعی کرتے ہیں۔

آیت واذ قتلتم نفساً فادرءتم فیھا واللہ مخرج ما کنتم تکتمون (البقرہ ۶۷) کے تحت لکھتے ہیں۔

''اس قصہ کو پہلے قصہ سے کچھ تعلق نہیں ہے،بیل کے ذبح کرنے کا قصہ ختم ہو چکا یہ دوسرا قصہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص مارا گیا تھا اور قاتل معلوم نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ سب لوگ موجود ہیں اور انہی میں قاتل بھی ہے۔مقتول کے اعضاء سے قاتل کو ماریں جو لوگ درحقیقت قاتل نہیں ہیں وہ بہ سبب یقین اپنی بے جرمی کے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کریں گے،مگر اصلی قاتل بسبب خوف اپنے جرم کے جواز روئے فطرت انسان کے دل میں اور بالتخصیص جہالت کے زمانہ میں اس قسم کی باتوں سے ہوتا ہے ایسا نہیں کرنے کا،اسی وقت معلوم ہو جاوے گا،اور وہی نشان جو خدا نے انسان کی فطرت میں رکھے ہیں لوگوں کو دکھاوے گا،اس قسم کے حیلوں سے اس زمانہ میں بہت سے چور معلوم ہو جاتے ہیں،اور وہ بسبب خوف اپنے جرم کے ایسا کام جو دوسرے لوگ بلا خوف بہ تقویت اپنی بے جرمی کے کرتے ہیں نہیں کر سکتے،پس یہ ایک تدبیر قاتل کے معلوم کرنے کی تھی اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھا۔

ہمارے مفسرین نے ان آیتوں کی یہ تفسیر کی ہے،کہ پہلا اور پچھلا ایک ہی قصہ ہے،اور پچھلی آیتوں میں جو بیان ہوا ہے وہ باعتبار وقوع کے مقدم ہے اور قصہ یوں قرار دیا ہے،کہ بنی اسرائیل نے ایک شخص کو قتل کیا تھا اس کا قاتل معلوم کرنے کو خدا نے ایک بیل کے ذبح کرنے کا حکم دیا اور یہ کہا کہ اس مذبوح بیل کے اعضاء سے مقتول کو مارو،انکے مارنے سے مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کو بتلا دیا۔

(تفسیر القرآن، ص ۱۲۶)

نقطہ نظر تفسیر: سرسید احمد خان کی تفسیر کا نقطہ نظر عقلیت پسندی ہے وہ عقل، فطرت اور سائنس ہی کو غایت اولیٰ اور مقصد وحید سمجھتے ہیں لہذا قرآنی تعلیمات واحکام کو اپنے اسی موجودہ سانچے میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر حمید شطاری لکھتے ہیں:

انیسویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں سائنس اور مذہب کی کشمکش ہو رہی تھی۔ سرسید کے پیش نظر سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی کا انگلستان تھا جہاں سائنس اور مذہب کی جنگ میں مذہب کو آخر کار عقلیت اور سائنس سے ہاتھ ملانا پڑا۔ ہندوستان میں بھی سرسید نے اسی طریق کار کو اپنایا چنانچہ انگلستان کے مذہبی حلقوں کی طرح انہوں نے بھی مذہب کی ترجمانی عقل اور نیچر کے مطابق کی اور اسی نظریہ کے تحت انہوں نے قرآن مجید کی جدید تفسیر لکھی۔ (قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر، ص ۴۱۷)

بطور مثال ایک اقتباس سطور ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہوسکتا۔ بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں، ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ پہاڑوں کی صلابت، پانی کی ارقت، درختوں کی قوت نمو، برق کی قوت، جذب ورفع، غرض کہ تمام قویٰ جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں اور جو مخلوقات میں ہیں وہی ملائک و ملائکہ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے، انسان ایک مجموعہ قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا ہے اور ان دونوں قوتوں کی بے انتہا ذریات ہیں، جو ہر ایک قسم کی نیکی وبدی میں ظاہر ہوتی ہیں، اور وہی انسان کے فرشتے اور ان کی ذریات، اور وہی انسان کے شیطان اور اسکی ذریات ہیں۔

(تفسیر القرآن، ص ۵۶)

علم کلام وتعقل: تفسیر زیر نظر میں از اول تا آخر، علم کلام وتعقل کا غلبہ ہے مثلاً آیت ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون (البقرہ آیت، ۱۶)

''انسان اپنے افعال میں مجبور ہو یا مختار یا بین الجبر والاختیار یہ ایک جدا مسئلہ ہے جو انسان کی فطرت کی تحقیقات پر منحصر ہے، اور اس کی فطرت پر مباحثہ کرنے کے بعد جو ثابت ہوتا ہے ہو، ہو، ہمارا مقصد اس مقام پر صرف اس قدر کہنا ہے کہ قرآن مجید سے ان باتوں میں سے کسی پر استدلال کرنا، اور اسکو ایک مسئلہ اسلام منزل من اللہ سمجھنا غلطی ہے۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے جا بجا بندوں کے افعال کو، بلکہ ہر ایک چیز کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، جو کام بندوں سے ہوتے ہیں انکی نسبت فرماتا ہے، کہ ہم نے کیا۔ مثلاً ہم نے مینہ برسایا، ہم نے درخت اگائے، ہم نے دریا بہائے، ہم نے سمندر میں جہاز تیرائے پس اس تمام طرز کلام سے واسطوں کا درحقیقت درمیان میں نہونا یا اس شے کا ان افعال میں مجبور یا مختار ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنی عظمت وشان اور اپنے علۃ العلل یعنی تمام چیزوں کی اخیر علت یا خالق ہونے کا بندوں پر اظہار مقصود ہوتا ہے اور اس لئے اس قسم کے کلام سے انسان کا اپنے افعال میں مجبور یا مختار ہونے کا استنباط واستدلال کرنا صحیح نہیں ہوسکتا بلکہ ایسا کرنا داخل تفسیر القول بمالا یرضی قائلہ کے ہے، خدا اپنے تئیں علۃ العلال جمیع کائنات کا بتاتا ہے، پس اگر تمام حوادث وافعال کو جو عالم میں تمام مخلوقات، انسان، حیوان، عناصر، وغیرہ سے ہوتے ہیں اپنی طرف نسبت کرے، اور ہر چیز کی نسبت یہ کہے کہ ہم نے کیا، تو یہ نسبت صحیح و درست ہوگی۔ علاوہ اسکے مصری اور یونانی حکماء کا یہ خیال تھا کہ دو چیزیں ازلی اور ابدی ہیں، ایک خدا، اور ایک مادہ، خدا نے اس قدیم ازلی اور ابدی مادہ سے تمام دنیا کو بنایا اور رچایا ہے''۔ (تفسیر القرآن، ص ۲۰)

آیت: وان کنتم فی ریب بما نزلنا علیٰ عبدنا (البقرہ آیت ۲۱) کے تحت نبوت و رسالت کی حقیقت وحی اور کیفیت جبرئیل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ نبوت کے جس کو ناموس اکبر اور زبان شرح میں جبرئیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ اس کا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے۔

جس تجلیات ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، اس کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا کے پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے، وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہوتا ہے جس میں سے خدا کے کلام کی آوازیں نکلتی ہیں، وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے، جو خدا کے بے حرف و بے صوت کلام کو سنتا ہے، خود اسی کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اٹھتی ہے، اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے، اسی کا عکس اس کے دل پر پڑتا ہے، جس کو وہ خود ہی الہام کہتا ہے، اس کو کوئی نہیں بلواتا بلکہ وہ خود بولتا ہے اور خود ہی کہتا ہے، وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی۔ (تفسیر القرآن، ص ۳۲)

جدید علوم سے استفادہ: مفسر جدید علوم سے بے حد متاثر ہے وہ نہ صرف جدید علوم کی روشنی میں تفسیر بیان کرتا ہے بلکہ قرآنی آیات کو جدید علوم کے تابع بنا دیتا ہے۔ اسی رو میں وہ معجزات کا انکار کرتا ہے، فرشتوں اور جنات سے ابا کرتا ہے، غرضیکہ جو چیز بھی سائنس اور عقل کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتی اسے مسترد کر دیتا ہے اور قرآنی آیات کی اس طرح تاویل کرتا ہے کہ انہیں اپنی مرضی کے معانی پہناتا ہے، مثلاً آیت واذ فرقنا بکم البحر فانجینٰکم واغرقنا ال فرعون وانتم تنظرون (البقرہ ۴۷) کے تحت لکھا ہے:

جس زمانہ میں بنی اسرائیل مصر میں رہتے تھے اور فرعون مشہور بادشاہ تھا اس زمانہ میں اس کا دارالسلطنت شہر رامیسس تھا۔ اس کے بائیں طرف تھوڑے فاصلہ پر دریائے نیل تھا اور دائیں طرف یعنی جانب مشرق تین منزل کے فاصلے پر بحر احمر کی بڑی شاخ تھی۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو شہر رامیسس سے لے کر نکلے پہلی منزل 'سکوت' میں ہوئی دوسری منزل 'ایثام' میں تیسری منزل فہا حیروت میں۔ یہ مقام بحر احمر کی بڑی شاخ کے بائیں بائیں کنارہ پر یعنی جانب مغرب، اس شاخ کی نوک کے پاس تھا۔ جب فرعون نے معہ اپنے لشکر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو راتوں رات حضرت موسیٰ بنی اسرائیل سمیت بحرِ احمر کی بڑی شاخ کی نوک میں سے جہاں ہم نے نقشہ میں نقطوں کا نشان کر دیا ہے پار اتر گئے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بسبب جوار بھاٹے کے جو سمندر میں آتا رہتا ہے اس مقام پر کہیں خشک زمین نکل آتی تھی اور کہیں پایاب رہ جاتی تھی بنی اسرائیل پایاب وخشک راستہ سے راتوں رات پار اتر گئے...... صبح ہوتے فرعون نے جو دیکھا کہ بنی اسرائیل پار اتر گئے اس نے بھی ان کا تعاقب کیا۔ وہ وقت پانی کے بڑھنے کا تھا اور لحظہ بہ لحظہ پانی بڑھ گیا جس میں فرعون اور اس کا لشکر ڈوب گیا۔ علماء اسلام کا زمانہ گیارہ بارہ سو برس سے سمجھنا چاہیے۔ ان بزرگوں نے جو اپنے ہوش میں بحرِ احمر اور اسکی شاخ کو جس سے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل نے عبور کیا تھا نہایت عمیق اور ایک قہار سمندر دیکھا ہے اس لئے انہوں نے قرآن مجید کی صاف عبارت اور الفاظ کو جو صریح جوار بھاٹے اور خشک زمین کے نکل آنے پر دلالت کرتے تھے۔ الٹ پھیر کر اس واقعہ کو بطور ایک عجیب واقعہ کے بنایا اور ایسا معجزہ جو قانون قدرت کو بھی توڑ دے ٹھہرا لیا...... گو اس زمانہ کا صحیح جغرافیہ ہم کو نہ ملے مگر بہت پرانا جغرافیہ جو بطلیموس نے بنایا تھا معہ اسکے نقشہ جات کے جو بطلیموس کے جغرافیہ کے مطابق بنائے گئے ہیں خوش قسمتی سے ہمارے پاس موجود ہے اور اس میں بحرِ احمر کا بھی نقشہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بطلیموس کے زمانہ تک بحر احمر میں بتیس چھوٹے بڑے جزیرے موجود تھے اور یہ صاف دلیل اس بات کی ہے کہ اس زمانہ میں بحرِ احمر ایسا قہار سمندر نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ (تفسیر القرآن، ص ۱۰۲، ۱۰۳)

زیر آیت واذ قلتم یا موسیٰ لن نومن لک حتیٰ نری اللہ جھرۃ فاخذتکم الصاعقۃ وانتم تنظرون (سورۃ البقرہ آیت ۵۵)

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ ہم علانیہ خدا کو دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ بجز اس کی قدرت کاملہ کے ایک عظیم الشان کرشمہ کے اور کچھ ان کو نہیں دکھا سکتے تھے، پس وہ ان کو اس پہاڑ کے قریب لے گئے جس کی آتش فشانی اور گڑگڑاہٹ اور زور شور کی آواز اور پتھروں کے اڑنے کے خوف سے وہ بے ہوش یا مردے کی مانند ہو گئے ......اس بات کے آثار کہ وہ کوہ سینا درحقیقت آتش فشاں تھا، اب تک پائے جاتے ہیں، اور ہر شخص اب بھی جا کر دیکھ سکتا ہے ایک بہت بڑا عالم شخص یعنی کپتان اسٹینلی حال میں بطور سیاحت اس وادی میں گئے تھے جہاں سے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل نے گزر کیا تھا۔ انہوں نے اس پہاڑ کا حال اسطرح لکھا ہے کہ چٹانوں کی راہ سے جو بطور زینہ بنی ہوئی تھیں ہم ایک وادی میں پہنچے جو سرخ پتھر کے پہاڑوں کے درمیان تھا۔ یہاں پر عجیب وغریب پہاڑ دیکھنے میں آئے جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا سرخ وسیاہ مادہ کی گرم نہریں ان پر بہتی ہیں۔ درحقیقت آتشی مادہ اوپر بہہ آیا تھا۔ (تفسیر القرآن،ص ۱۱۰،۱۱۱)

کتب سابقہ کی روشنی میں تفسیر: سرسید احمد خان کتب سابقہ یعنی تورات وانجیل کو غیر محرف مانتے تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے ایک کتاب، تبیین الکلام کے نام سے لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ تورات وانجیل میں کسی قسم کی تحریف یا تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ تفسیر زیر نظر میں بھی وہ دورانِ تفسیر مذکورہ کتب سے استفادہ کرتے ہیں۔ آیت: فقلنا اضرب بعصاک الحجر فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا (البقرہ آیت ۵۷)

پہاڑی ملک کو اہل عرب حجر کہتے ہیں جیسے کہ عرب الحجر یعنی عرب کا پہاڑی حصہ، ''فاضرب بعصاک الحجر'' میں لفظ حجر کا استعمال ہوا ہے، بحرِ احمر کی شاخ کو عبور کرنے کے بعد ایک وادی ملتا ہے جس کا قدیم نام، ایثام ہے، وہاں پانی نہیں ملتا توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا جس کا پانی نہایت تلخ تھا اور پی نہیں سکتے تھے، اس لئے اس کا نام'' مرہ'' رکھا ہے، یہی مقام ہے جہاں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے پانی مانگا تھا اس مقام کے پاس پہاڑیاں ہیں جن کی نسبت خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا'' فاضرب بعصاک الحجر'' یعنی اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس پہاڑی پر چڑھ چل، اس پہاڑی کے پرے ایک مقام ہے جس کو توریت میں ایلم، لکھا ہے وہاں بارہ چشمے پانی کے جاری تھے، جس طرح پہاڑی ملک میں پہاڑوں کی جڑ یا چٹانوں کی درازوں میں سے جاری ہوتے ہیں جن کی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ'' فانفجرت منہ اثنتا عشرہ عینا'' یعنی اس سے پھوٹ نکلے ہیں، بارہ چشمے، اگر ہم توریت کی عبارت پر یقین کریں تو اس سے بھی پایا جاتا ہے اور اس کی یہ عبارت ہے کہ'' بعد ازاں بہ ای لم آمدند و درآنجا دوازدہ چشمہ آب یافتند و ہفتاد درخت خرما بود و درآنجا بہ پہلوئے آب اردو زدند۔ (کتاب خروج، باب ۱۵، ورس ۱۶) (تفسیر القرآن،ص ۱۱۷،۱۱۸)

(ترجمہ: اس کے بعد وہ ایلم آئے وہاں بارہ چشمے اور کھجوروں کے ستر درخت پائے اور اس طرح پانی کے کنارے ہی پڑاؤ ڈالا)

متقدم تفاسیر سے استفادہ: مفسر زیر قلم، متقدم مفسرین کرام کے تفسیری اقوال سے صرف اسی صورت میں استفادہ کرتا ہے، جب ان کو اپنے مقصد اور خیال کے موافق ومطابق پاتا ہے۔ گویا اپنی رائے توثیق وتصدیق کے لئے ہی کسی متقدم تفسیر سے استفادہ کرتا ہے:

زیر آیت: فبدل الذین ظلموا قولاً غیر الذی قیل لھم (البقرہ آیت ۵۶)

اس تبدیل سے کسی لفظ کا بدل دینا مراد نہیں ہے، کیونکہ ان کو الفاظ نہیں بتائے گئے بلکہ استغفار یعنی گناہوں سے معافی چاہیے کا حکم تھا، مگر انہوں نے اس حکم کو بدل ڈالا اور توبہ واستغفار کی کچھ پروانہ کی بلکہ فتح کے سبب مغرور ومتکبر ہو گئے، امام فخر الدین رازی نے بھی یہ معنی اختیار کئے ہیں چنانچہ انہوں نے لکھا ہے ''لما امروا بالتواضع وسوال المغفرۃ لم یمتثلوا امر اللہ ولم یلتفتوا الیہ'' یعنی جبکہ ان کو تواضع اور استغفار کرنے کا حکم دیا گیا تھا تو انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کی اور اسیر التفات نہ کیا اور بیضاوی میں بھی یہی مطلب تسلیم کیا گیا ہے کہ'' بدلوا بما امروا بہ من

التوبۃ والاستغفار طلب مایشتھون من اعراض الدینا'' یعنی انہوں نے بدل دیا حکم توبہ واستغفار کا دنیاوی چیزوں کے چاہنے سے جس کے وہ خواہش مند تھے۔ (تفسیر القرآن، ص ۱۱۶، ۱۱۷)

احادیث کی روشنی میں تفسیر: سرسید احمد خان احادیث سے استدلال صرف اس وقت کرتے ہیں جب کوئی حدیث انہیں اپنے مقصد وحید سے قریب تر دکھائی دیتی ہے ورنہ وہ ذخیرۂ احادیث کو قابل اعتماد ہی نہیں گردانتے ۔ زیر آیت و بشر الذین امنو وعملو الصلحت ان لھم جنتٍ ......البقرۃ آیت ۲۳۔

جنت یا بہشت کی ماہیئت جو خود خدا تعالیٰ نے بتائی ہے وہ تو یہ ہے'' فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانو یعملون'' یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کیا ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) چھپا رکھی گئی ہے اسکے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔

پیغمبر خدا ﷺ نے جو حقیقت بہشت کی فرمائی جیسے کہ بخاری و مسلم نے ابو ہریرہؓ کی سند پر بیان کیا ہے وہ یہ ہے'' قال اللہ تعالیٰ اعدت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اُذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر'' (سورۃ الم سجدہ آیت ۱۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ طیار کی ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے اور نہ کسی کان نے سنی ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے۔ پس اگر حقیقت بہشت کی یہی باغ اور نہریں اور مورتی کے اور چاندی سونے کی اینٹوں کے مکان اور دودھ اور شراب اور شہد کے سمندر اور لذیذ میوے اور خوبصورت عورتیں اور لونڈے ہوں، تو یہ قرآن کی آیت اور خدا کے فرمودہ کے بالکل مخالف ہے، کیونکہ ان چیزوں کو تو انسان جان سکتا ہے اور اگر فرض کیا جاوے کہ ویسی عمدہ چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنیں تو وہ بھی لا خطر علیٰ قلب بشر سے خارج نہیں ہو سکتیں، عمدہ ہونا ایک اضافی صفت ہے اور جبکہ ان سب چیزوں کا نمونہ دنیا میں موجود ہے، تو اس کی صفت اضافی کو جہاں تک کہ ترقی دیتے جاؤ انسان کے دل میں اس کا خیال گزر سکتا ہے، حالانکہ بہشت کی ایسی حقیقت بیان ہوئی ہے کہ ''ولا خطرہ علیٰ قلب بشرٍ'' پس بہشت کی جو یہ تمام چیزیں بیان ہوئی ہیں درحقیقت بہشت میں جو'' قراۃ عینٍ'' ہوگا اس کے سمجھانے کو بقدر طاقت بشری تمثیلیں ہیں، نہ بہشت کی حقیقتیں۔ (تفسیر القرآن، ص ۴۰، ۴۱)

تفسیر آیات کی روشنی میں: مفسر بعض آیات کی تفسیر وتاویل کے دوران دیگر آیاتِ قرآنی سے تصدیق وتوثیق کا کام لیتا ہے

آیت ثم بعثکم من بعد موتکم لعلکم تشکرون۔ (البقرہ آیت ۵۳)

جبکہ ہم کو ثابت ہو گیا کہ ''صاعقۃ'' کے معنی موت کے نہیں ہیں، بلکہ اس مقام پر ہو بھی سکتے ہیں، اور بعث کا اطلاق، لا بعد الموت پر بھی آتا ہے تو ہم لفظ موت کو اس کے حقیقی معنوں پر یعنی بدن سے جان نکل جانے پر اطلاق نہیں کر سکتے، بلکہ مردے کے مانند ہو جانے پر اطلاق کرتے ہیں اور اسکی دلیل خود قرآن مجید میں موجود ہے، اس لئے کہ جو واقعہ اس مقام پر بیان ہوا ہے، وہی واقعہ چیمبرز انسائیکلو پیڈیا میں مرقوم ہے۔

''ہم اس بات پر غور نہیں کر سکتے ہیں کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کیا کیا لیکن اگر ٹھیک ٹھیک کہا جائے تو یورپ میں علوم وفنون کی ترقی میں اسی کا حصہ تھا۔ مسلمان علی العموم نویں صدی سے تیرہویں صدی تک وحشی یورپ کے لئے روشن ضمیر معلم کہے جا سکتے ہیں۔ خاندان عباسیہ کے خلفاء کے نہایت عمدہ زمانہ سے یونانی خیالات اور یونانی تہذیب کا از سر نو سرسبز ہونا شمار کیا جا سکتا ہے۔ قدیم علم وادب ہمیشہ کے واسطے بغیر کسی علاج کے مفقود ہو جاتا اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اس کو پناہ نہ ملتی''۔

سورۂ اعراف میں بھی آیا ہے اور وہاں یہ فرمایا ہے کہ'' فلما اخذتھم الرجفۃ قال رب لوشئت اھلکتھم من قبل وایای۔ یعنی بنی اسرائیل

میں سے ستر آدمی جو خدا کے دیکھنے کے لئے گئے تھے، ڈر کے مارے کانپنے لگے تو حضرت موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھ کو مارڈالتا۔ (تفسیر القرآن ص۱۰۹)

اسلوب نگارش

عام فہم اسلوب بیان: سرسید کا اسلوب عام فہم ہے۔ان کی نثر لفاظی اور صنعتی بازی گری سے مبرا ہے۔سادگی اور بے تکلفی ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے آغاز کی چند سطور نیچے درج کی جاتی ہیں۔

اس سورۃ میں کچھ خدا کی تعریف ہے اور کچھ اپنی عاجزی اور کچھ دعا۔ پس گویا بندوں کی زبان سے کہی گئی ہے اور بلاشبہ بندوں کو خدا سے اسی طرح التجا کرنی زیبا ہے۔ دعا جب دل سے کی جاتی ہے ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے۔مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جس مطلب کے لئے ہم دعا کرتے ہیں، دعا کرنے سے وہ مطلب حاصل ہوجاویگا اور استجابت کے معنی اس مطلب کا حاصل ہونا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی ہے۔حصول مطلب کے جو اسباب خدا نے مقرر کئے ہیں وہ مطلب تو انہی اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔مگر دعا نہ اس مطلب کے اسباب میں سے ہے اور نہ اس مطلب کے اسباب کو جمع کرنیوالی ہے۔جس سے اس رنج و مصیبت اور اضطرار میں جو مطلب نہ حاصل ہونے سے ہوتا ہے، تسکین دیتی ہے۔ (تفسیر القرآن ص۱۲)

استدلالی انداز: سرسید احمد خان کے اسلوب بیان کی ایک نمایاں خصوصیت ان کا استدلالی انداز ہے۔ چونکہ انہوں نے نزاعی موضوعات پر قلم اٹھایا لہذا منطقی و استدلالی انداز ان کے لئے ضروری ٹھہرا۔ وہ اپنی بات کو دلائل کے زور سے منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔

زیر آیت واذ قلنا للملٰئکۃ اسجدو لادم فسجدوا الا ابلیس (البقرہ آیت ۳۲)

آدم کے لفظ سے وہ ذاتِ خاص مراد نہیں ہے، جس کو عوام الناس اور مسجد کے ملا باوا آدم کہتے ہیں، بلکہ اس سے نوعِ انسانی مراد ہے، جیسا کہ تفسیر کشف الاسرار میں لکھا ہے وما المقصو د بادم ادم وحدہ'' (یعنی آدم سے مراد فردِ واحد نہیں) اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے''لقد خلقنا کم ثم صورنا کم ثم قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم (تحقیق ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں شکلیں عطا کیں پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو) پس کم کا خطاب کل انسانوں کی طرف ہے اور آدم سے بنی آدم یعنی نوعِ انسان مراد ہیں۔(تفسیر القرآن ص۶۳)

مناظرانہ رنگ: مفسر نے عمومی عقائد اور روایتی تفاسیر سے بغاوت کی راہ اپنائی ہے۔لہذا وہ جا بجا مخالف تفسیری آراء کی تغلیط و تردید اور اپنے خیالات و نظریات کی تائید و توثیق میں دلائل براہین پیش کرتا ہے۔اس طرح تفسیر میں مناظرانہ رنگ ابھر آتا ہے۔

زیر آیت: فقلنا لھم کونوا مردۃ خاسئین (البقرۃ آیت ۶۱) کے تحت لکھا ہے۔(پھر ہم نے انکو کہا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل و خوار)

اس کی تفسیر میں بھی ہمارے علماء مفسرین نے عجیب و غریب باتیں بیان کی ہیں اور لکھا کہ وہ لوگ سچ مچ صورت و شکل اور ہیئت میں بھی بندر ہو گئے تھے، بعضوں کا قول ہے کہ وہ سب تیسرے دن مر گئے اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ بندر جو اب درختوں پر چڑھتے اور ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر اچھلتے پھرتے ہیں انہی بندروں کی نسل میں سے ہیں۔

مگر تمام باتیں لغو خرافات ہیں۔خدائے پاک کے کلام پاک کا یہ مطلب نہیں ہے۔ یہودیوں کی شریعت میں سبت کا دن عبادت کا تھا اور اس میں کوئی کام کرنا یا شکار کھیلنا منع تھا مگر وہ ایک گروہ یہودیوں کا جو دریا کے کنارہ پر رہتا تھا فریب سے سبت کے دن بھی شکار کھیلتا تھا، انکی قوم کے مشائخوں نے منع کیا، جب نہ مانا تو ان کو قوم سے منقطع برادری سے خارج، کھانے پینے سے الگ میل جول سے علیحدہ کر دیا، اور وہ

توریت پر نہ چلنے والوں کوایسا ہی کیا کرتے تھے اوراسی لئے ان کی حالت بندروں کی سی ہوگئی تھی جسکی نسبت خدانے فرمایا کونوا قردہ خاسئین یعنی جس طرح بندر بلا پابندی شریعت حرکتیں کرتے ہیں جس طرح انسانوں میں بندر ذلیل وخوار ہیں،اسی طرح تم بھی انسانوں سے علیحدہ اور ذلیل وخوار ورسوا ہو.....بعض مفسرین نے بھی انکے سچ مچ کے بندر ہوجانے سے انکار کیا ہے۔ بیضاوی میں لکھا ہے قال مجاہد ما مسخت صورتہم ولکن قلوبہم فمثلوا بالقردۃ کما مثلوا بالحمار فی قولہ کمثل الحمار یحمل اسفاراً یعنی مجاہد کا قول ہے کہ انکی صورتیں بندر کی سی نہیں ہوگئی تھیں بلکہ ان کے دل بندروں کے سے ہوگئے تھے اوراسی لئے بندروں کے ساتھ انکو تشبیہ دی ہے۔(تفسیر القرآن،ص۱۲۲تا۱۲۴)

مقصدیت: سرسید نے جو کچھ لکھا ایک خاص مقصد کے پیش نظر لکھا وہ قوم کی اصلاح وفلاح کے متمنی تھے لہذا یہی ان کا مطمح نظر آتا تھا اوراسی وجہ سے ان کی توجہ زبان وبیان کی بجائے مواد پر مرکوز رہتی تھی۔مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں۔

مفسرین حضرت موسیٰ کے عبوراور فرعون کے غرق ہونے کوبطور ایک ایسے معجزے کے قرار دیتے ہیں جوخلافِ قانون قدرت واقعہ ہوا ہو جس کوانگریزی میں سپرنیچرل کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے سمندر پر اپنی لاٹھی ماری وہ پھٹ گیااور پانی مثل دیوار یا پہاڑ کے ادھرادھر کھڑا ہوگیا اور پانی نے بیچ میں خشک رستہ چھوڑ دیا،حضرت موسیٰ اورتمام بنی اسرائیل اس رستہ سے پاراتر گئے۔فرعون بھی اسی رستہ میں دوڑ پڑااور پھر سمندر مل گیااور سب ڈوب گئے،اگر درحقیقت یہ واقع خلاف قانون قدرت واقع ہوا تھا تو خدا تعالیٰ سمندر کے پانی کوایسا سخت کردیتا کہ مثل زمین کے اُس پر چلے جاتے،خشک رستہ نکالنے ہی سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ یہ واقعہ یا معجزہ جواس کوتعبیر کرو مطابق قانون قدرت کے واقعہ ہوا تھا۔جومطلب مفسرین نے بیان کیا ہے وہ مطلب قرآن مجید کے لفظوں سے بھی نہیں نکلتا۔(تفسیر القرآن،ص۸۰تا۸۲)

بے ساختگی: سرسید کی بے ساختگی حالی یا شبلی کی بے ساختگی سے مختلف ہوتی ہے وہ اپنی عبارت میں انگریزی الفاظ کے ساتھ ساتھ عامیانہ اور بازاری الفاظ بھی استعمال کرجاتے ہیں۔

عام مسلمان کے ذہن میں موجود جنت کے تصور کا خاکہ وہ ان الفاظ میں اڑاتے ہیں یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے،اس میں سنگِ مرمر کےاور موتی کے جڑاؤ محل ہیں۔باغ میں شاداب وسرسبز درخت ہیں،دودھ اور شراب وشہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں، ہرقسم کا میوہ کھانے کوموجود ہے،ساقی وساقنیں نہایت خوبصورت،چاندی کے کنگن پہنے ہوئے،جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں،شراب پلا رہی ہیں،ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے،ایک نے ران پرسر دھرا ہے،ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہےایکنے لبِ جان بخش کا بوسہ لیا ہے،کوئی کسی کونہ میں کچھ کررہا ہے،کوئی کسی کونہ میں کچھ۔(تفسیر القرآن،ص۴۴)

اشعار کا استعمال: مفسر کہیں کہیں عربی وفارسی اشعار بھی قلمبند کرتا ہے یہ اشعار ایک طرف مفہوم کی وضاحت وصراحت میں ممد ومعاون ثابت ہوتے ہیں تو دوسری طرف عبارت کی آرائش وزیبائش کا سبب بھی بنتے ہیں۔

زیرآیت وقلنا اھبطو بعضکم لبعضٍ عدو: البقرہ آیت ۳۴ کے تحت لکھا ہے(آدمؑ کا جنت سے اخراج) ہم شروع ہی سے اس قصہ کوایک واقعی قصہ نہیں سمجھتے بلکہ صرف انسانی فطرت کا اس فطرت کی زبان حال سے بیان قرار دیتے ہیں،پس انسان کا جنت میں رہنا اس کی فطرت کی ایک کا بیان ہے،جب تک کہ وہ مکلّف کسی امرونہی کا نہ تھا وللہ درمن قال

طفلی ودامانِ مادرخوش بہشتی بودہ است

چوں بپائے خودرواں گشتیم سرگرداں شدیم

(تفسیر القرآن،ص۶۸)

(ترجمہ بچپن میں ماں کی آغوش کیا خوب جنت تھی، جب ہم نے خود چلنا شروع کیا تو مصائب میں گرفتار ہو گئے)

مطالعہ زبان

مضاف، مضاف الیہ سے پہلے

شمار آیتوں کا (تفسیر القرآن،ص۹)

بطور تواریخی واقعات کے (تفسیر القرآن،ص۹)

متقضا اپنی فطرت کے (تفسیر القرآن،ص۲۲)

بہت بڑا معجزہ قرآن کا (تفسیر القرآن،ص۶۰)

حرفِ جار کی تقدیم

بجز قرآن کے (تفسیر القرآن،ص۸)

علاوہ اعراب کے (تفسیر القرآن،ص۸)

بجز مسمیٰ کے (تفسیر القرآن،ص۱۵)

بجز اونٹ چرانے والوں کے (تفسیر القرآن،ص۲۵)

بسبب اسی فطرت نبوت کے (تفسیر القرآن،ص۳۳)

معہ اپنے لشکر کے (تفسیر القرآن،ص۳۳)

موافق اس کی حالت کے (تفسیر القرآن،ص۳۵)

مثل دیگر قوائے انسانی کے (تفسیر القرآن،ص۳۸)

عربی الفاظ وتراکیب

استدلال: انسان کے اپنے افعال میں مجبور ہونے پر استدلال ہو سکتا ہے (تفسیر القرآن،ص۱۹)

تعلیق: کبھی محال امر کو محال بات پر تعلیق کرتا ہے (تفسیر القرآن،ص۲۷)

ارقام: امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں ارقام فرماتے ہیں (تفسیر القرآن،ص۲۹)

فی نفسہ: تو وہ فی نفسہ تو اس مرض کی سب مریضوں کے لئے شفا ہے (تفسیر القرآن،ص۱۸)

بین الجبر والاختیار، بالفعل: اور تیسرا بین الجبر والاختیار کا جو بالفعل مذہب اہل سنت وجماعت کا ہے (تفسیر القرآن،ص۱۹)

علت العلل: اور اپنے علت العلل یعنی تمام چیزوں کی اخیر علت...... (تفسیر القرآن،ص۲۰)

شقی القلب: ایک نہایت شقی القلب بے رحم بدذات آدمی...... (تفسیر القرآن،ص۲۲)

ضعیف القویٰ: بعضے نہایت ضعیف القویٰ ہیں (تفسیر القرآن،ص۲۳)

مرفوع القلم: وہ مکلّف نہیں بلکہ مرفوع القلم ہے (تفسیر القرآن،ص۲۴)

بلفظہٖ: نہ بطور معنی و مضمون کے بلکہ بلفظہٖ ڈالی گئی تھی (تفسیر القرآن، ص ۳۷)

کافہ انام: بسبب اپنی رقت قلبی اور توجہ الی اللہ اور خوف و رجا کے (تفسیر القرآن، ص ۴۴)

بناء فاسد علی الفاسد: مگر ایسا سمجھنا بناء فاسد علی الفاسد ہے (تفسیر القرآن، ص ۵۱)

عربی الفاظ کی جمع بطریق عربی

آثار: اور اپنے وجود کے آثار اور اپنی حکمت کاملہ کی نشانیوں سے اپنے ہونے پر استدلال کیا ہے (تفسیر القرآن، ص ۲۸)

اسرار: نجومی ستاروں کے حساب یا شیطانوں کے اسرار سے بتاتے تھے (تفسیر القرآن، ص ۳۱)

اقوال و نصائح: اس طرح کے خیالات اور اقوال و نصائح ہوں (تفسیر القرآن، ص ۳۹)

حقائق و معارف: کہ ان حقائق و معارف کو، جن کو تربیت یافتہ عقل بھی مناسب غور و فکر و تامل سے سمجھ سکتی ہے۔

(تفسیر القرآن، ص ۲۶)

مدارج: بزرگی اور علو مدارج میں ایک سا ہونا (تفسیر القرآن، ص ۴۷)

کواکب: سات سیارہ کواکب کو ہر کوئی جانتا تھا (تفسیر القرآن، ص ۵۱)

اوصاف: ایک صورت جوان اوصاف کی مقتضی ہوتی ہے (تفسیر القرآن، ص ۵۲)

قصص: اس قسم کے قصص میں یہودیوں کی پیروی کرنے کی عادت پڑ گئی ہے (تفسیر القرآن، ص ۶۷)

قیود: تمام قیود سے مبرا ہوتا ہے (تفسیر القرآن، ص ۷۵)

عربی الفاظ کی جمع بطریق اردو

اختلافوں: کتابوں میں تو بلاشبہ ان پہلے اختلافوں کا ذکر ہوتا ہے (تفسیر القرآن، ص ۴)

فرقوں: اس جگہ تین فرقوں کا حال بیان کیا ہے (تفسیر القرآن، ص ۱۷)

کافروں، منافقوں: تین فرقوں کا حال بیان کیا ہے، ایمان والوں کا، کافروں کا، منافقوں کا (تفسیر القرآن، ص ۱۷)

اصولوں: اور انہی اصولوں پر اس کے معنی قرار دینے لازم ہیں (تفسیر القرآن، ص ۲۷)

نصیحتیں: سینکڑوں نصیحتیں ہوتی ہیں (تفسیر القرآن، ص ۳۵)

حکایتوں: مثالوں اور حکایتوں سے بیان کیا ہے (تفسیر القرآن، ص ۱۶۷)

مناسباتِ لفظی کی مثالیں

عاطفت کا لطف: نہ اپنی ماں کے کنار عاطفت کا لطف اٹھایا (تفسیر القرآن، ص ۲۵)

تسبیح و تقدیس: کہ وہی ان کی تسبیح و تقدیس ہے (تفسیر القرآن، ص ۴۳)

ذوق و شوق: یا دل میں کسی قسم کا ذوق و شوق پیدا ہو جانے سے (تفسیر القرآن، ص ۱۰۶)

ہیر پھیر: اس کو کوئی شخص ہیر پھیر کر بیان کرنے سے معدوم نہیں کر سکتا (تفسیر القرآن، ص ۱۱۲)

کلام قدیم: جو ہمارے کلام قدیم کو پورا کر دیتی ہے (تفسیر القرآن، ص ۳۰)

معقولات ومحسوسات: متخیلات ومتوہمات: جوطرح طرح کے معقولات اور محسوسات اور متخیلات اور متوہمات کے جاننے کے لائق تھے۔
(تفسیر القرآن، ص ۶۳)

مترادفات

عقل وفہم: ہر ذی عقل وفہم اس کے معنی دریافت کر کر سمجھ سکتا ہے (تفسیر القرآن، ص ۹)

ضرور ولازم: نیک کاموں کو بحال رکھنا ضرور ولازم ہوتا ہے (تفسیر القرآن، ص ۱۰)

پند ونصیحت: کبھی یہ قوت پند ونصیحت......اور صحبت کے اثر سے تحریک میں آجاتی ہے (تفسیر القرآن، ص ۲۴)

عمدگی وخوبی: تمام قرآن میں جس عمدگی وخوبی سے......استدلال کیا ہے (تفسیر القرآن، ص ۲۸)

بے مثل وبے نظیر: نہایت پیارا اور دل میں اثر کرنے والا بے مثل اور بے نظیر ہے (تفسیر القرآن، ص ۲۸)

جاہل وامی: قوم کی قوم جاہل وامی تھی (تفسیر القرآن، ص ۳۸)

رنج وکلفت: اور درحقیقت جولذت وراحت یا رنج وکلفت وہاں ہے......کچھ مناسبت نہیں (تفسیر القرآن، ص ۴۴)

متضادات

ازلی ابدی: خدا نے اس قدیم ازلی اور ابدی مادہ سے تمام دنیا کو بنایا (تفسیر القرآن، ص ۲۰)

ظاہری وباطنی: جو افعال ظاہری وباطنی ان سے سرزد ہوتے ہیں (تفسیر القرآن، ص ۲۲)

نیک وبد: جو نیک وبد میں تمیز کر سکتی ہے (تفسیر القرآن، ص ۲۳)

کم وبیش: یہ قوت فکری کم وبیش تمام انسانوں میں فطری ہے (تفسیر القرآن، ص ۲۴)

حق وباطل: یہی وہ قوت ہے جو حق وباطل میں تمیز کرتی ہے (تفسیر القرآن، ص ۲۴)

عالم وجاہل: جو عالم اور جاہل سب کی سمجھ میں آتا ہے (تفسیر القرآن، ص ۲۸)

اونچی نیچی: آیا انہی اونچی نیچی آوازوں سے (تفسیر القرآن، ص ۳۰)

بہشت ودوزخ: پس یہ مسئلہ کہ بہشت اور دوزخ دونوں بالفعل مخلوق موجود نہیں (تفسیر القرآن، ص ۳۹)

نور وظلمت: بعض بت پرستوں کا یہ خیال تھا کہ عالم کی ترکیب نور وظلمت سے (تفسیر القرآن، ص ۵۳)

عام وخاص: اس طرح پر عام وخاص......کا یکساں قرآن مجید سے مقصد پانا بہت بڑا معجزہ قرآن کا ہے
(تفسیر القرآن، ص ۶۰)

خیر وشر: خیر وشر کے پھل کھانے سے......تعبیر کیا ہے (تفسیر القرآن، ص ۷۶)

انگریزی الفاظ (چند مثالیں)

ریفارمر: جو شرع کی زبان میں پیغمبر اور تمدنی اصطلاح میں ریفارمر کہلاتے ہیں (تفسیر القرآن، ص ۲۵)

نیچرلسٹ: جو عالم اور حکیم اور فلسفی اور نیچرلسٹ ودہریہ سے لے کر عام جاہلوں بدوؤں صحرانشینوں کی ہدایت کے لئے بھی یکساں مفید تھے
(تفسیر القرآن، ص ۳۹)

سپر نیچرل: جوخلاف قانون قدرت واقع ہوا ہو جس کو انگریزی میں سپر نیچرل کہتے ہیں (تفسیر القرآن،ص۷۹)

پرونسی ایشن (Pronounciation): بلکہ اختلاف تلفظ ہے جس کو انگریزی میں ''پرونسی ایشن'' کہتے ہیں

(تفسیر القرآن،ص۵)

کانشنس: تمام اہل مذاہب کانشنس یعنی نور ایمان...... سے تعبیر کرتے ہیں (تفسیر القرآن،ص۲۳)

ہندی الفاظ کی مثالیں

دھرم: تمام اہل مذہب......نور ایمان و نور دھرم سے تعبیر کرتے ہیں (تفسیر القرآن،ص۲۱۲)

گھوسنیں: چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں (تفسیر القرآن،ص۱۱۲)

بھانمتی: بھانمتی کا ایک تماشا بنایا ہے (تفسیر القرآن،ص۷۷)

جوار بھاٹا (بسبب جوار بھاٹے کے جو سمندر میں آتا رہتا ہے) (تفسیر القرآن،ص۱۰۱)

ٹنٹا: پھر کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ فی الواقع فرشتوں نے خدا سے مباحثہ یا جھگڑا ٹنٹا کیا تھا (تفسیر القرآن،ص۶۰)

بودا: مگر میری سمجھ میں خدائے پاک کا کلام ایسا بودا نہیں ہے (تفسیر القرآن،ص۱۰۸)

جمع الجمع کا استعمال

تواریخیں: بہت سی تواریخیں جن میں جھوٹے قصے اور کہانیاں بھری ہوئی تھیں (تفسیر القرآن،ص۲۱۸)

اصولوں: اور انہی اصولوں پر اس کے معنی قرار دینے لازم ہیں (تفسیر القرآن،ص۲۷)

وجوہات: اس بات پر یقین کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں (تفسیر القرآن،ص۱۰۵)

تذکیر و تانیث کی ناہمواری

غور کو کہیں مذکر اور کہیں مونث لکھا ہے مثلاً

جنہوں نے انسانی فطرت پر غور کی ہے (تفسیر القرآن،ص۲۱)

غرض کہ جہاں تک غور کیا جاتا ہے (تفسیر القرآن،ص۱۱۰)

مصائب اردو میں بطور مذکر مستعمل ہے سرسید نے اسے مونث لکھا ہے:

اور دوزخ کی مصائب کو آگ میں جلنے اور لہو پیپ پلائے جانے اور تھور کھلائے جانے کی تمثیل میں بیان کیا ہے۔

(تفسیر القرآن،ص۴۳)

دہلوی انداز

(الف): مختصر بات بیان کرنی (تفسیر القرآن،ص۶)

(ب): اپنا ڈیرہ گدھوں خچروں پر لادے پڑے پھرتی تھی (تفسیر القرآن،ص۳۸)

قدیم الفاظ / متروک الفاظ کا استعمال

تئیں: جھوٹ موٹ ظاہر میں اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں (تفسیر القرآن،ص۱۷)

ما(ماں): ایک یتیم بن ماباپ کے بچے کا حال سنو (تفسیر القرآن، ص۲۵)

بعضے: بعضے ایسے ہیں جن کے قویٰ قوی ہیں (تفسیر القرآن، ص۲۱)

اوترتے (حرکت بالحرف کی مثال): جبرئیل خدا کا کلام سن کر آنحضرتﷺ پر اوترتے تھے (تفسیر القرآن، ص۲۹)

کیسی (کی سی) ایک نہایت شقی القلب بے رحم بدذات آدمی کیسی ہوتی ہے۔ (تفسیر القرآن، ص۲۲)

معہ (مع): موسیٰ کے قصہ کو معہ ترجمہ حاشیہ پر لکھ دیتے ہیں (تفسیر القرآن، ص۷۸)

جاویں گے (جائیں گے): جب وہ آگ بھڑکانے کیلئے آگ میں ڈالیں جاویں گے (تفسیر القرآن، ص۴۰)

کچھ نامانوس استعمالات

(الف): انہوں نے آسمانوں پر کے پانیوں سے ابر میں کے پانی مراد لیتے ہیں (تفسیر القرآن، ص۳۱۶)

(دوجگہ ''کے'' زائد ہے)

(ب): ''کرکر'' کا بکثرت استعمال مثلاً

قطع نظر کرکر (تفسیر القرآن، ص۲۷)

یقین کرکر (تفسیر القرآن، ص۲۴)

ودیعت کرکر (تفسیر القرآن، ص۶۵)

منتخب کرکر (تفسیر القرآن، ص۷۷)

جمع مکسر کی صفت واحد مونث کی چند مثالیں

آیات نازلہ: قرآن مجید کی آیات نازلہ کے لکھ لینے کی رسم اوائل...... سے اختیار کی گئی تھی (تفسیر القرآن، ص۱۱)

مطالب عظیمہ: تا کہ ان تینوں حرفوں سے ان مطالب عظیمہ کی طرف اشارہ ہو (تفسیر القرآن، ص۱۵)

افعال ذمیمہ، اخلاق حمیدہ: بلاتشبیہ یہ ایسا ہی کلام ہے جیسے کہ ایک ناصح شفیق کسی کو افعال ذمیمہ چھوڑنے اور اخلاق حمیدہ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہو (تفسیر القرآن، ص۱۸، ۱۹)

نافیہ مرکبات

''بے'' نافیہ بطور سابقہ:

بے رحم: ضرور سفاک، قاتل بے رحم ہوگا (تفسیر القرآن، ص۲۲)

بے حرف، بے صوت: بے حرف و بے صوت کلام کو سنتا ہے (تفسیر القرآن، ص۳۲)

بے معلوم: وہ سب بے معلوم رہتی ہیں (تفسیر القرآن، ص۳۰)

بے عقل: بدوی بے عقل و بددماغ ہوتا ہے (تفسیر القرآن، ص۲۶)

''نا'' نافیہ بطور سابقہ کی چند مثالیں:

ناسمجھ: سمجھدار و ناسمجھ عالم و جاہل کا یکساں قرآن مجید سے مقصد یا ایک بہت بڑا معجزہ قرآن کا ہے (تفسیر القرآن، ص۶۰)

ناانصافی: ایک ناانصافی اور محض مکابرہ ہے (تفسیر القرآن،ص۱۱)

''بن'' نافیہ بطور سابقہ

بن ماباپ: ایک یتیم بن ماباپ کے بچے کا حال سنو (تفسیر القرآن،ص۲۵)

کتابیات

۱۔ احمد خان، ڈاکٹر، قرآن کریم کے اردو تراجم، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء

۲۔ اکرام، محمد، شیخ، موجِ کوثر، لاہور، ۲۰۰۹ء

۳۔ الحسنی عبدالحئی، نزہۃ الخواطر، جلد ہفتم، ہشتم، مطبوعہ، طیب اکادمی ملتان ۱۹۹۲

۴۔ الحسنی، عبدالحئی، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، اعظم گڑھ ۲۰۰۹ء

۵۔ الحسینی، محمد زاہد، تذکرۃ المفسرین، اٹک، ۱۴۰۱ھ

۶۔ حالی، الطاف حسین، حیات جاوید، لاہور، ۱۹۸۶ء

۷۔ خالد، محمد سلیم، تفسیر نویسی فارسی در شبہ قارہ مقالہ، پی ایچ ڈی فارسی غیر مطبوعہ ۱۹۹۸، پنجاب یونیورسٹی لاہور

۸۔ خالد، محمد سلیم، شاہ عبدالقادر کے اردو ترجمہ قرآن کا ادبی ولسانی مطالعہ مقالہ ایم۔فل، اردو غیر مطبوعہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۲۰۰۰ء

۹۔ شطاری، عبدالحمید، قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر کا تنقیدی مطالعہ، حیدرآباد (انڈیا) ۱۹۸۲ء

۱۰۔ صابری، امداد، فرنگیوں کا جال، دہلی، ۱۹۴۹ء

۱۱۔ صارم، عبدالصمد، پروفیسر، تاریخ التفسیر، لاہور، ۱۹۷۱ء

۱۲۔ صالحہ، عبدالحکیم، قرآن حکیم کے اردو تراجم، کراچی، ۱۹۸۸ء

۱۳۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی وفکری جائزہ، لاہور، ۱۹۷۵ء

۱۴۔ فرید آبادی، ہاشمی، سید، تاریخ مسلمانانِ پاک وہند، جلد۲، لاہور، ۱۹۹۰ء

۱۵۔ نقوی، جمیل، اردو تفاسیر، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء